نقد و نظر اصلاحات نظام معیشت:

پہلی قسط

# پاکستان میں مروجہ قوانین انکم ٹیکس اسلامی تعلیمات کے تناظر میں

مقالہ نگار:۔ پروفیسر محمد عبداللہ ملک جی۔سی۔فیصل آباد یونیورسٹی (مشیر فقہ وفاقی شرعی عدالت پاکستان)

پروفیسر عبداللہ ملک ایک مشہور محقق اور فیصل آباد یونیورسٹی کا جی۔سی ہے "المباحث الاسلامیہ" کے اجراء سے مطلع ہوتے ہی بہت خوش ہوا اور اس کو عصر حاضر کا ایک اہم ضرورت شمار کیا۔ موصوف نے اس خالص علمی جریدہ کیلئے مضامین فراہم کرنے میں تعاون کی پیش کش کی، چنانچہ موصوف نے اپنا وقیع علمی اور تحقیقی مضمون بنام "پاکستان میں مروجہ قوانین انکم ٹیکس اسلامی تعلیمات کے تناظر میں" اشاعت کیلئے پہلے بار ارسال فرمایا جسے ادارہ نے اپنا سعادت سمجھتے ہوئے المباحث کے صفحات کی زینت بنائی۔ امید ہے قارئین حظِ وافر حاصل کریں۔ (ادارہ)

ذیلی عنوانات

(1) ٹیکس کا اسلامی تصور۔

(2) موجودہ نظام ٹیکس۔

(3) اسلامی نظام ٹیکس کی خوبیاں۔

(4) پاکستان میں ٹیکس کا نظام۔

(5) انکم ٹیکس قوانین کا تحقیقی مطالعہ۔

(6) آمدنی کی مدات(Head of Income)

(7) جائز و ناجائز کے متعلق تشریح واحکامات۔

(8) سودخوری۔

(9) قحبہ گری اور زنا کی آمدنی۔

(10) فحاشی پھیلانے والے ذرائع آمدنی۔

(11) ڈاکہ زنی۔

(12) اسلام اور قرض حسنہ۔

(13) قرض حسنہ اور انکم ٹیکس آرڈی نینس 1979ء

(14) انفاق فی سبیل اللہ اور انکم ٹیکس قوانین۔

(15) سٹہ بازی

(16) ٹیکس کلچر میں اعتماد کا فقدان۔

## ٹیکس کا اسلامی تصور:

اسلامی ریاست میں ریاستی نظم و نسق، رفاہ عامہ اور دیگر معاشی ضروریات کی تکمیل کیلئے ٹیکس عائد کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس نظام محاصل کو کلی طور پر عادلانہ اور منصفانہ بنانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، تاکہ رعایا اپنے حکمرانوں سے ناانصافی کا شکوہ کرتے ہوئے بدظن نہ ہو جائیں۔ جس طرح آپؐ نے فرمایا: ترجمہ: تمہارے بہترین حکام وہ ہے جن سے تم محبت کرتے ہو اور جو تم سے محبت کرتے ہیں۔ جن کیلئے تم دعا کرتے ہو۔ اور تمہارے لئے بدترین حکمران وہ ہے جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں۔ ان پر تم لعنت بھیجو اور وہ تم

پرلعنت بھیجے۔لہذا حکمرانوں کو چاہئے، کہ وہ رعایا کی خوشحالی کیلئے جدوجہد کریں۔اور اگر وہ اس مقصد کیلئے یا کسی ناگہانی آفت و نامساعد حالات (Emerjency Circumstances) کے پیش نظر یا سرکاری خزانے کا مال کم ہو تو مشروط طور پر وقتی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ضرائب و ٹیکس عائد کریں نظام محاصل کو آسان بنائیں۔دشواریاں اور پیچیدگیاں دور کر کے ٹیکسوں کی تعداد کم کرتے ہوئے شرح ٹیکس بھی مناسب مقرر کریں۔تاکہ ٹیکس دہندہ کی نجی زندگی بھی متاثر نہ ہو اور اس کی قوت عمل بھی مفلوج نہ ہو۔اور اسے اپنے کمائی ہوئی دولت پر ملکیت کا احساس بھی باقی رہے۔ریاست کے ہر شہری کو اس بات کا یقین کر لینا چاہئے کہ اس کی ادا کردہ رقم واقعی منصفانہ انداز میں اپنے ترقیاتی و رفاہ عامہ کے اہداف پر خرچ ہو رہی ہے۔کیونکہ یہ یقین انہیں خوش دلی سے رضا کارانہ طور پر ٹیکس ادا کرنے کا خوگر بنائے گا۔اسی طرح ٹیکسوں کی وصولی کا طریقہ بھی ظالمانہ و غیر منصفانہ کی بجائے عادلانہ اور منصفانہ انداز میں وضع کیا جائے تاکہ غریب عوام پر سارا بوجھ نہ پڑے اور نہ ان کی کمر ٹوٹ جائے اسی لئے اسلامی تعلیمات میں بلاواسطہ ٹیکسوں (Direct Texes) کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔یہ ٹیکس عموماً افراد کی دولت، کاروبار، جائیداد اور دیگر قسم کی آمدنی سے براہ راست لئے جاتے ہیں۔مثلاً کاروباری طبقہ کی آمدنی میں بھی خاص حد تک اضافہ ہو جائے تو انکم ٹیکس عائد کیا جاتا ہے۔جائیداد، مکانات اور دکانوں کی ملکیت پر بھی ٹیکس لگایا جاتا ہے جسے قرآن حکیم نے زائد از ضرورت دولت قرار دیا ہے۔مملکت اسلامیہ ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت وغیرہ کے برخلاف ایک ایسا مالی نظام وضع کرتی ہے جس سے نہ صرف ریاست مادی و معاشی ترقی کی منزلیں طے کر سکتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کے حصول کے لئے روحانی ترقی بھی۔اس حسین امتزاج کو قرآن حکیم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔ترجمہ: (اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے رزق دے رکھا ہے اس کے ذریعے آخرت کے گھر کے لئے تگ و دو کرو اور دنیا میں بھی اپنا حصہ لینا مت بھولو) اور لوگوں پر ایسے احسان کرو جیسے اللہ نے تم پر احسان کیا اور اپنی دنیا کیلئے یا اس کے ذریعے زمین میں فساد برپا نہ کرو) (۱) اس طرح اسلامی ریاست کے اہل حل وعقد کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ دولت کو ریاست کے تمام افراد میں منصفانہ طور پر تقسیم کرنے کا بندوبست کرے تاکہ کوئی شہری معاشی و معاشرتی فوائد سے محروم نہ رہے۔اور ملک کی تمام دولت و ذرائع دولت صرف چند لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہو کر نہ رہ جائیں، بلکہ ضرورت مند لوگ بھی اپنی بنیادی ضرورتیں پورا کرنے کے اہل ہوں ارشاد باری تعالیٰ ہے **کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم** (۲) ترجمہ: تاکہ دولت صرف تمہارے صاحب ثروت لوگوں میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔ اسلامی نظام محاصل کا مقصد نبی کریم ﷺ نے یوں بیان فرمایا **توخذ من اغنیاء هم و ترد علی فقرائهم** ترجمہ: زکوۃ ان کے مالدار لوگوں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی۔(۳) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اللہ نے اغنیاء پر فقیروں کی ضرورت کو فرض قرار دیا ہے اگر فقراء بھوکے اور ننگے ہوں اور صاحب ثروت لوگوں کے نہ دینے کی وجہ سے تکلیف میں پڑ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا اور سزا دے گا۔ضرورت کے وقت اغنیاء سے مال لے کر سب پر برابر تقسیم کیا جائے (۴) معاشی عدل کا جو اسلامی تصور ہے اس میں ہر فرد معاشرہ کیلئے دو چیزوں کی ضمانت ہے۔ایک اس چیز کی کہ کوئی انسان کسی حال میں بھی بقدر ضرورت

سامان معاش سے محروم نہ رہے اور دوسری اس بات کی کہ ہر ایک کے لئے ضرورت سے زیادہ مال ومتاع کما سکنے کا موقع ہو یعنی اس کی رو سے ہر فرد کی بقدر ضرورت سامان معاش کما سکنے کا موقع بھی ملتا ہے جب کہ معاشی عدل کے سرمایہ دارانہ تصور میں مذکورہ دونوں چیزوں کی ضمانت نہیں پائی جاتی اور اشترا کی تصور میں صرف پہلی بات کی قدرے ضمانت ملتی ہے۔مگر دوسری بات کی ضمانت نہیں ملتی۔

(۵) بیت المال کے معروف ذرائع آمدنی میں زکوٰۃ وعشر، عشور، اموال فیٔ، اموال غنائم، خراج، جزیہ، کراء الارض، ضرائب وصدقات وغیرہ ہیں جو آمدنیاں اسلامی سرکاری خزانہ کے حوالے کی جاتی ہے۔یا انہیں براہ راست خرچ کر دیا جاتا ہے۔وہ سرکاری خزانہ کی ہی آمدنیاں اور خرچ تصور ہوتا ہے۔اور اس کے لئے ان اصول وضوابط کی پابندی لازمی ہوگی جو سرکاری خزانے کو کنٹرول کرتے ہیں۔لہذا وہ تمام آمدنیاں جو سرکاری خزانے کیلئے ہو خواہ انہیں خرچ کرنے میں اسلامی ریاست کے سربراہ کی مرضی شامل ہو یا نہ ہو۔وہ سرکاری خزانے کے دائرہ کار میں آتی ہے۔(٦) اسلامی ریاست میں عائد کردہ ٹیکسوں کا مطالعہ کیا جائے، تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے ۔کہ ان کا مقصد محض بیت المال میں دولت کی فراوانی پیدا کرنا نہیں ہے۔اور نہ ان کے ذریعے محض فلاحی مملکت کا قیام ہے، بلکہ فلاحی مملکت دراصل اسلامی ریاست کا ایک اہم جزو ہے اور ریاست کے قیام کے ساتھ ساتھ فلاحی مملکت خود بخود وجود میں آجاتی ہے۔ٹیکس ریاست کی ایک ضرورت ہوتے ہیں جو چند ضابطوں کے اندر رہ کر حاصل کئے جاتے ہیں۔ٹیکسوں کا نفاذ شریعت اسلامی کا کوئی بنیادی مطالبہ نہیں ہے۔اور نہ اس کے لئے صراحت کے ساتھ احکام دئے گئے ہیں جن سے مقررہ مالی مطالبات کے علاوہ کسی دیگر مطالبہ کا لازمی ہونا ظاہر ہو لیکن ٹیکس تو دراصل حالات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔جن کے تحت ان کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔جوں ہی وہ حالات ختم ہوتے ہیں ٹیکس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ضرورت کے وقت بھی لازمی نہیں کہ ٹیکس کے ذریعہ ہی سرمایہ اکٹھا کیا جائے بلکہ اگر دوسرے ذرائع جیسے ترغیب وغیرہ سے وسائل اکٹھے ہو سکیں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے۔جس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ملتا ہے۔رسولؐ کا عمل مبارک ہمارے سامنے ہے کہ جب کبھی آپؐ کو وسائل کی ضرورت پڑتی تھی تو آپؐ اس کے لئے اعلان کرتے تھے جس کے نتیجے میں لوگ اپنی مرضی سے بسا اوقات اپنا سارا مال واسباب لے آتے رہے(3) موجودہ دور کے مادی نظام تو ان کے علم برداروں کے نزدیک انسانوں کے انسانی پہلو کی کوئی قدر وقیمت نہیں۔انہوں نے اس کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے ۔رہا انسان کا حیوانی پہلو، تو اس میں بھی سرمایہ داری اور اشتراکیت کے نظاموں میں جو خوفناک تصادم برپا ہے اس نے انسانیت کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔بلکہ اس کی ہڈیاں پیس کر رکھ دی ہیں۔دونوں فریق ایک دوسرے کو تہس نہس کرنے کے لئے اپنے جنگی ذخائر میں ہر آن مہلک ترین اسلحہ کا اضافہ کرتے جا رہے ہیں۔جب بھی کسی نے بٹن دبا دیا تو دنیا بھر میں ایک ایسا کہرام مچے گا جو مشرق ومغرب دونوں کو تباہ کر دے گا۔(4) محمدؐ کا دیا ہوا دین دینِ فطرت ہے جسے ہم اسلام کے نام سے پہچانتے ہیں۔اس دین حنیف نے انسانی زندگی کو متوازن خوشحال اور پاکیزہ وبابرکت بنانے کے لئے اجمالی خطوط پیش کئے ہیں۔دیگر مذاہب کی طرح اسلام نے انسان کی جسمانی زندگی اس کے تقاضوں اور اس کی مادی ضرورتوں کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا۔اسلام کا نظام محاصل عادلانہ، منصفانہ، اور مثالی حیثیت رکھتا ہے۔اور اس میں نظریہ سہولت وضرورت

کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ مصالح مرسلہ کی مد میں دولت مند افراد سے مالی معاونت حاصل کرنے کے لئے رضا کارانہ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اور اخروی اجر و ثواب کی تبلیغ و ترغیب دی جاتی ہے۔ اس کے بعد چند لازمی طریقے بھی اپنائے جاتے ہیں تا کہ کفالت عامہ کا مقصد پورا ہو سکے مگر ان محاصل کی وصولی میں سختی و بے انصافی سے ہٹ کر ٹیکس دہندہ کی استطاعت، مجبوری اور ضروریات زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے محاصل کی آدائیگی میں ہر قسم کی سہولت دی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے شام سے واپس آتے ہوئے راستے میں چند آدمیوں کو دھوپ میں کھڑا دیکھا۔ جب انہوں نے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ انہیں جزیہ ادا نہ کرنے کی سزا دی جارہی ہے حالانکہ وہ لوگ جزیہ کی ادائیگی کے قابل نہیں تھے تو آپؓ نے اپنے عاملوں کو اس ظالمانہ روش پر ڈانٹتے ہوئے سختی سے فرمایا ان کو چھوڑ دو اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دو اسلئے کہ میں نے رسول کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں کو عذاب میں نہ ڈالو اس لئے کہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب میں مبتلا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن عذاب میں مبتلا کرے گا پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ ذمیوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے اور ان کے عہد کو پورا کرے۔ ان کی حفاظت میں ان کے دشمن سے جنگ کرے اور خراج کی ادائیگی میں ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالے۔(۷) ایک مرتبہ سعید بن عامرؓ والی شام نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی۔ جب وہ دربار خلافت میں آئے تو حضرت عمرؓ نے سخت انداز میں اس کی وجہ پوچھی تو سعید بن عامرؓ نے جواب دیا کہ آپ نے دو حکم دیئے تھے۔ میں ان دونوں پر عمل کرتا ہوں ایک یہ کہ کاشت کاروں پر فی جریب چار دینار سے زیادہ لگان نہ لگاؤں اور دوسری یہ کہ لگان کی ادائیگی میں نرمی سے کام لوں۔ سو میں اس وقت تک لگان نہیں لگاتا جب تک ان کی خوب آمدنی نہیں ہو جاتی ۔حضرت عمرؓ نے سن کر فرمایا یہی ہونا چاہئے۔ اب میں تجھ کو معزول بھی نہیں کروں گا۔ امام ابو یوسفؒ ہارون الرشید کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اے ہارون! کسی شخص کو بھی لگان (خراج) کے سلسلہ میں زدوکوب نہ کیا جائے اور نہ ایک پاؤں پر کھڑا کیا جائے۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض وصول کرنے والے اس قسم کی ذلیل حرکتیں کرتے ہیں کہ اہل خراج کو دھوپ میں کھڑا کرتے ہیں۔ ان کی سخت مار پیٹ کرتے ہیں ان کی گردنوں میں گھڑے لٹکاتے ہیں اور ان کو قید کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تمام باتیں اللہ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہیں اور اسلام ان حرکتوں کو بدترین سمجھتا ہے(۸) عدل وظلم کی حکومت کے درمیان ہمیشہ سے یہ امتیازی فرق چلا آتا ہے۔ کہ عدل کی حکومت کا نصب العین رعایا اور عوام کی خدمت ہوتا ہے۔ اس لئے عادل حکمران کا شاہی خزانہ رفاہ عامہ، پبلک خدمات اور ان کی خوشحالی کے لئے ہوتا ہے اور وہ اپنی ذات پر ضروری حاجات سے زیادہ اس میں سے خرچ نہیں کرتا ہے اور نہ ہی عوام کو ٹیکسوں کی کثرت سے پریشان حال بناتا ہے۔ اس کے برعکس جبر وظلم کی حکومت کا نشانہ اقتدار ذاتی اور اسی کا استحکام ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نہ رعایا کے دکھ درد کی پرواہ کرتا ہے اور نہ ان کی راحت و آرام کا خیال کرتا ہے اور اس سلسلے میں اگر کچھ ہو بھی جاتا ہے تو وہ حکومت کے مفاد و مصالح کے پیش نظر ضمنی ہوتا ہے۔ نیز اس حکومت کی رعایا ہمیشہ ٹیکسوں کے بوجھ سے دبی رہتی ہے اور اس ملک کی اکثریت غربت و افلاس ہی کا شکار رہتی ہے۔(۹)

## پاکستان میں ٹیکس کا نظام:۔

قیام پاکستان کے بعد تقریباً 54 سال گزر جانے کے باوجود ہمارا ٹیکس کا نظام ابھی تک انہی خصوصیات کا حامل ہے جو اسے نو آبادیاتی نظام سے ورثہ میں ملی تھیں۔ٹیکس سے حاصل ہونے والی آمدنی انتظامیہ، دفاع اور قرضوں کی ادائیگی ہی میں صرف ہوتی رہی ہے۔اور ترقیاتی مصارف پورے کرنے کے لئے مکمل طور پر اندرونی اور بیرونی قرضہ جات پر انحصار کیا جارہا ہے بالواسطہ ٹیکسوں (Indirect Taxes) پر زیادہ انحصار ٹیکس نظام کے زوال کا بنیادی سبب ہے۔جس کے نتیجے میں ہمارا نظام محصولات ترقی ، سہولت، وتاثیر اور ترغیب وعدل کے مقاصد کے حصول میں ناکام ہوا ہے۔مختلف حکومتوں نے صوبوں اور وفاق میں ٹیکسوں کی آمدنی کی مناسب تقسیم پر بھی توجہ نہیں دی۔پاکستان میں ٹیکس کے موجودہ نظام کا مطالعہ کرنے اور اس کے اثرات کا تفصیلی جائزہ لینے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ نظام متعدد رکاوٹوں کا شکار ہونے کے باعث اپنے حقیقی مقاصد کو پورا کرنے میں ناکام رہا ہے۔عوام تک اس کے ثمرات کی ترسیل میں پہلی رکاوٹ ٹیکس سسٹم کی بنیاد کا غیر موثر حد تک محدود ہونا ہے۔دوسرا اہم مسئلہ ٹیکس کے وصولیوں (Recoveries Of Taxes) میں اضافے میں ناکامی ہے۔جس کا سبب یقینی طور پر محصولات کے موجودہ نظام کی غیر ضروری لچک اور ٹیکس کلچر کا عدم فروغ ہے۔پاکستان میں مروجہ نظام محصولات کی چند مشہور مدات میں سے انکم ٹیکس، دولت ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی، ایکسائز ڈیوٹیز، سیلز ٹیکس اور صوبائی سطح کے ٹیکس وغیرہ قابل ذکر، قابل اصلاح اور توجہ طلب ہے۔ان تمام مدات میں کئی مشترک قابل ترامیم قوانین موجود ہیں۔

منصفانہ معیشت ریاستی استحکام کی لازمی شرط ہے۔ٹیکس پالیسی، معاشی نظام کا اہم حصہ ہوتی ہے۔اس کے ذریعے یہ تعین کیا جاتا ہے کہ معیشت کے کن شعبوں کی ترقی اور کن طبقات کی بہبود ہوگی۔معیشت کے بعض شعبوں کی ترقی سے قومی خود انحصاری پیدا ہوتی ہے اور بعض اقدامات سے غیر ملکوں کی محتاجی۔اسی طرح ٹیکس اقدامات سے حکمران گروہ کے مفادات پروان چڑھتے ہیں اور بعض اقدامات سے عوام کی اکثریت کو فلاح حاصل ہوتی ہے۔فی زمانہ معیشت اور ٹیکس کے نظام میں خود اعتمادی اور عوامی فلاح و بہبود کے فروغ کا بندوبست کئے بغیر قومی آزادی اور شہری آزادیوں کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔دنیا میں ہر جگہ جمہوری ریاست کے ارتقاء میں ٹیکس کے عادلانہ نظام کی تحریکوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔امریکہ کی جنگ آزادی کی تو بنیادی وجہ ہی ٹیکس لگانے کے اختیارات پر اختلاف تھا۔آج پاکستان کے حکمران گروہ نے بالا دست طبقات پر عائد کردہ براہ راست ٹیکسوں کے نظام میں یہ اہتمام کر رکھا ہے کہ زیادہ دولتمند عناصر اور زیادہ مراعات یافتہ طبقات کو زیادہ سے زیادہ مراعات دی جائیں۔ظاہر ہے کہ یہ مراعات اکثریت کے معاشی مفادات کو پامال کر کے ہی فراہم کی جاسکتی ہے اور یہ کام عوام کے سیاسی حقوق اور آزادیوں کو محدود کیے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔غیر منصفانہ معاشی اور سیاسی پالیسیوں کی وجہ سے 20 فی صد بالائی طبقے کے ہاتھ میں قانونی طور پر متعین قومی آمدن کا تقریباً نصف حصہ مرتکز ہو چکا ہے۔غیر قانونی آمدن اس کے علاوہ ہے، جو سرکاری قومی آمدن کے تخمینوں میں شامل نہیں جبکہ 80% عوام کے حصے میں قومی آمدن کی نصف رقم آتی ہے۔یہ رقم عوام میں برابر تقسیم نہیں ہوتی۔سماجی طور پر پسماندہ 20 فی صد سب سے نچلے طبقے کی معاشی حالت میں گزشتہ

20 سالوں میں کوئی بہتری واقع نہیں ہوئی۔ 80 فیصد عوام جن کی اوسط سالانہ آمدن چار ہزار باسٹھ روپے فی کس یا پچیس ہزار فی کنبہ ہے۔ حکومت کی جانب سے یہ ٹیکس اور دوسری نوع کے اخراجات کا بھاری حصہ یہی عوم برداشت کرتے ہیں۔ اوسط آمدن جس کا اوپر ذکر کیا گیا ٹیکس سے مبرا نہیں ہوتی۔ حکومت اشیاء پر جو ٹیکس عائد کرتی ہے وہ عوام ہی ادا کرتے ہیں۔ یوں ان کی آمدن کا ایک حصہ حکومت کے خزانے میں منتقل ہو جاتا ہے عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ کم از کم براہ راست ٹیکس (مثلاً انکم ٹیکس اور ویلتھ ٹیکس) صرف دولت مند افراد پر لاگو ہوتے ہیں اور غریب عوام پر ان کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ سراسر غلط دعویٰ ہے کیونکہ فی الحقیقت اس کا بہت بڑا حصہ کم آمدن والے 80 فیصد عوام کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ تمام رقوم آج یا آئندہ عوام پر نافذ ہونے والے ٹیکسوں سے ادا ہوں گے پاکستان میں مروجہ ٹیکسوں کا نظام ریاست کی انتظامی ضرورتوں اور ترقیاتی منصوبوں، دونوں نوع کے اخراجات، کے لئے مالی وسائل فراہم کرنے میں ناکام ہو چکا ہے۔ بجٹ کا خسارہ پورا کرنے کے لئے حکومت کسی معاشی جواز کے بغیر نوٹ چھاپتی ہے یا ملک کے اندر یا باہر سے ہر سال قرضے حاصل کرتی ہے۔ 2000-1999ء کے دوران نئے اندرونی اور بیرونی قرضوں کا تخمینہ 40 ارب ڈالر ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ بجٹ میں خسارہ ہے۔ حکومت غربت زدہ عوام کی اسودگی کے لئے کوئی قابل ذکر کردار ادا نہیں کرتی، یہی وجہ ہے کہ عوام میں قوم کے لئے ایثار کا کوئی جذبہ نہیں ابھرتا بلکہ سرکاری خزانے کا خورد برد دیکھ کر ان میں خود غرضی کا جذبہ تیز تر ہوتا ہے۔ مروجہ ٹیکس کا نظام دوسرے اہم مقاصد کے حصول میں بھی ناکام ثابت ہوا ہے ہماری توجہ سب سے پہلے پسماندہ علاقوں کی ترقی سے ہمکنار کرنے کے دعووں کی طرف جاتی ہے۔ پسماندہ علاقوں کی صنعتی ترقی کے لئے براہ راست اور بالواسطہ ٹیکسوں کے دونوں شعبوں میں ترغیبات دی گئیں۔ مثلاً ٹیکس ہالیڈے اور کسٹم ڈیوٹی کی چھوٹ دی گئی مگر ان مراعات کے باوجود وہاں قابل ذکر صنعتیں قائم نہیں ہو سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیکس کی ترغیبات بنیادی معاشی ڈھانچے اور دوسری ضروریات کا متبادل نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان کی کمی پورا کرتی ہیں۔ بنیادی معاشی ڈھانچے سے مراد سڑکیں، بجلی کی سپلائی بینکنگ کی سہولتیں اور ہنر مند لیبر وغیرہ کا حصول ہے۔ اگر یہ کمی دور کر دی جائے تو نئی صنعتوں کی تنصیب کے لئے ابتدائی سرمائے کی مراعات مثلاً کسٹم ڈیوٹی کی معافی یا کسٹم ڈیوٹی کی ڈینچر کا اجراء کافی ترغیبات ہوں گی اور اگر سرمایہ کاری کے لئے فضا مجموعی طور پر سازگار ہو تو انکم ٹیکس یا ایکسائز ڈیوٹی کی چھوٹ غیر ضروری رعایت ہوگی۔ معاشی استحکام کے لئے ٹیکس پالیسی کے علاوہ مندرجہ ذیل شعبوں میں کچھ اقدام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً افراط زر پر کنٹرول ہو اور زرمبادلہ کی ایسی شرح جو سرمایہ کاری کی ترغیب دے سکے اور بیلنس آف پیمنٹ کو متوازن بنائے۔ ٹیکس نظام کی ناکامی نے ان تمام شعبوں پر اپنا اثر ڈالا ہے ٹیکس کے شعبے میں اتنے بڑے پیمانے پر چوری جاری رہی کہ دوسرے شعبوں میں جو تھوڑے بہت اقدام کئے گئے وہ تمام ترغیر موثر ہو گئے۔ کالے دھن نے فضول خرچی کو پروان چڑھایا اور افراط زر کا رجحان بڑھایا۔ حکومت نے کالے دھن پر سرکاری کنٹرول قائم کرنے کی غرض سے ایسی سیونگ سکیمیں جاری کیں جن پر بھاری شرح سے سود ادا کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں صنعت کاروں کو ایسے شعبوں میں سرمایہ کاری کی ہمت نہ ہوئی جہاں اونچی شرح سے معاوضہ ادا کرنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ کالا دھن کم منافع کی بنیادی صنعتوں کی طرف جانے کی بجائے اونچی

شرح کی سرکاری بچتوں کی سکیموں کی طرف مڑ گیا۔ یا غیر منقولہ جائیدادوں اور سٹے بازی کی جانب راغب ہو گیا اس تمام صورت حال نے معیشت کو استحکام اور خود انحصاری کی منزل سے دور کر دیا یہی وجہ ہے کہ ہماری معیشت کا درآمدات پر انحصار لامحدود ہو چکا ہے۔ جس کے نتیجے میں زرمبادلہ کے توازن میں خسارہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اگر تجارت کے خسارے کو بیرون ملک کام کرنے والے کارکن اڑھائی ارب ڈالر کی ترسیلات سے کم نہ کریں تو معیشت کا دیوالیہ نکل جائے۔ تجارت میں خسارے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پاکستان جو اشیاء بیرون ملک فروخت کرتا ہے ان کی بیرونی منڈیوں میں زبردست مسابقت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان کی مالیت گرتی جا رہی ہے جب کہ جو اشیاء پاکستان غیر ملکوں سے خریدتا ہے ان کی مالیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ پاکستان کا بیرونی تجارت میں عدم توازن کی وجہ سے استحصال اس وقت تک نہیں رک سکتا جب تک پاکستان خوراک اور ایندھن جیسی ضروری اشیاء میں خود کفیل نہیں ہو جاتا اور تکنیکی اعتبار سے اتنی ترقی نہیں کر لیتا کہ وہ خام مال یا نیم مصنوعات کی بجائے اعلیٰ مالیت کی مصنوعات برآمد کرنے لگے۔ یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ٹیکس نظام کے ساتھ ساتھ معیشت کے دوسرے متعلقہ شعبے اس کے تقاضوں کے مطابق حکمت عملیاں اور انتظامی پالیسیاں تبدیل نہیں کرتے ٹیکس پالیسی کا انحصار کئی اور معاشی عوامل پر بھی ہے۔ مثلاً محکمے جو ٹیکس پالیسی نافذ کرتے ہیں یا وہ حلقے جن پر پالیسی کا نفاذ ہوتا ہے، وہ مل کر پالیسی کو کامیاب بنانے کے لئے کیا مثبت رویہ اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ ہماری بیرونی تجارت کے توازن میں خسارہ ہے۔ اس خسارے کو کم کرنے کیلئے برآمدات کے فروغ برآمدی تجارت کے فروغ پر خصوصی توجہ دی گئی۔ حکومت ایکسپورٹ ربیٹ دینے پر خود کو مجبور پاتی ہے۔ نقد ربیٹ ادا کرنا، حکومت کے بجٹ پر بوجھ ڈالنا ہے۔ عملی طور پر ایکسپورٹ ربیٹ بڑی حد تک بذات خود بوگس کاروبار میں تبدیل ہو چکا ہے۔ محض سرکاری خزانے سے ربیٹ وصول کرنے کی غرض سے ایکسپورٹ کی مالیت ملی بھگت سے بڑھ جاتی ہے۔ جو اس بات کی آئینہ دار ہے کہ کاروباری حلقے اور متعلقہ سرکاری عملہ ملک کے مجموعی مفاد کو پس پشت ڈال کر ذاتی منفعت کے لئے قانون اور اخلاق کی دھجیاں بکھیر رہا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی ٹیکس پالیسی کو اس کی روح کے مطابق روبہ عمل لانے کے لئے کاروباری حلقوں اور سرکاری عملے کی دیانت داری بنیادی شرط ہے(۱۰)

## انکم ٹیکس قوانین کا تحقیقی مطالعہ:۔

اس سوال کے جواب میں کہ انکم ٹیکس قوانین میں "انکم" کیا ہے آرڈی نینس 1979ء کی متعلقہ دفعات ہی پیش کر دینا کافی ہوگا جو یوں ہیں۔

**2(24) Any income, profits or gains from whatever source derived,chargeable to tax under any provision of this ordinance under any head specified in Section15:**

## آمدنی کی مدات:۔

15 HEAD OF INCOME :- All income shall for the purpose of the charge of tax and the computation of total income,be classified under the following Head, snamely:-

(a) Salary
(b) Interest on Securttities
(c) Income from house property
(d) Income from Busines and Profession.
(e) Capital gains and
(f) Income from other source. 10.

سرمایہ کے بغیر اقتصادی ترقی ناممکن ہے یہ قانون اور اس کی جنس کے دوسرے قوانین سرمایہ کاری کے راستے میں دیوار ہیں بدقسمتی سے بددیانتی پر مبنی یک طرفہ پروپیگنڈہ سے لوگوں کے ذہن میں یہ چیز داخل کرنے کی مسلسل کوشش کی گئی ہے۔ کہ ہر وہ شخص جس کے پاس سرمایہ ہے دشمن قوم ہے خواہ ان اشخاص نے وہ سرمایہ محنت کر کے کمایا اور اسراف اور تبذیر سے بچ کر ہو۔ قوم کے دشمنوں نے کھلی بددیانتی سے اپنا نشانہ سرمایہ کو بنایا اور کمال ہوشیاری سے اس کو جمع کرنے کے طریقوں یعنی ''حلال'' اور ''حرام'' کو موضوع نہیں بننے دیا۔ اسلام نے حلال ذرائع سے پیدا کردہ مال کو اللہ کا فضل قرار دیا ہے جب کہ ناجائز ذرائع سے پیدا کردہ مال کو اللہ کا عذاب کہا ہے۔ بلاشک وشبہ حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ و دیگر مالدار صحابہ کرامؓ اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا سرمایہ جسم کے صالح خون کی طرح قوی طاقت تھا۔ اس کے برعکس شداد، ہامان، قارون وغیرہ کا سرمایہ لعنت تھا۔ قوم کی ترقی میں حلال سرمایہ کی جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی دوسری چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ قانون حلال سرمایہ کے ارتکاز کا سب سے بڑا دشمن ہے جب کہ حرام سرمایہ اپنے ارتکاز کے لئے نہ اس کا محتاج ہے اور نہ پرواہ کرتا ہے۔ انکم ٹیکس آرڈی نینس 1979، سیکشن 16. آمدنی (Income) کی مذکورہ بالا قانونی تعریف کے بعد احکام الٰہی کی رو سے اکتساب مال کا تصور یوں پیش کیا گیا ہے ناجائز ذرائع آمدنی مثلاً رشوت، خیانت، چوری، سود خوری، ناحق مال میں تصرف، شراب وجوا اور ناپ تول میں کمی، قحبہ گری، زنا. فاشی پھیلانے والے کاروبار پر سخت وعید فرمائی ہے۔ اور صرف حلال اور پاک روزی کمانے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔(و لا تا کلو اموالکم بینکم بالباطل و تد لو ابها الی الحکام. لتا کلو افریقا من اموال الناس با لاثم) (۱۱) ترجمہ: اور تم آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور ان کو حکام کے سامنے پیش نہ کرو تا کہ کھا جاؤ جانتے ہوئے لوگوں کے مال گناہ کے ساتھ۔ ''فان امن بعضکم بعضا فلیؤد الذی اؤ تمن امانته و لیتق الله ربه'' (۱۲) ترجمہ: پس اگر تم سے ایک شخص دوسرے پر اعتماد کر کے کوئی امانت سپرد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اسے امانت ادا کرنی چاہئے۔ اور چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ ''فمن یغلل یات بماغل یوم القیامة ثم توفی

کل نفس ما کسبت،،(۱۳) ترجمہ: اور جو کوئی مال میں خیانت کرے وہ اپنے خیانت کئے ہوئے مال سمیت قیامت کے دن حاضر ہوگا اور ہر ایک کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ ملے گا۔ ''ان الذین یا کلون اموال الیتا مٰی ظلما انما یا کلون فی بطو نھم ناراً وسیصلون سعیر'' (۱۴) ترجمہ: جولوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

''السارق والسارقة فاقطعوا ا یدیھما''(۱۵) ترجمہ: ''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورتیں دونوں کے ہاتھ کاٹ دو'' ''یٰا یھاالذین اٰمنو انما الخمر والمیسر والا نصاب والا زلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ''(۱۶). ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو شراب اور جوا اور بت فال کے پانسے تو شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو۔

سودخوری:

''الذین یا کلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطٰن من المس ذالک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوٰ و احل الله البیع و حرم الربوا فمن جاء ہ .ومن عاد فاولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خٰلدون''(۱۷) ترجمہ: جولوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جیسے ان کو شیطان نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید وفروخت بھی تو (نفع کے لحاظ سے) سود جیسا ہے۔ حالانکہ اللہ نے خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام کہا ہے۔ تو جس شخص کے پاس اللہ کی ہدایت پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے جو پھر ''سود'' لینے لگے گا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ ''یایھا الذین امنو اتقوالله وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم موء منین ''(۱۸) ترجمہ: مومنو اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا اس کو چھوڑ دو''۔ ''فان لم تفعلو افاذنو ابحرب من الله ورسوله وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لا تظلمون'' ترجمہ: اگر تم ایسا نہ کرو گے تو خبر دار تیار ہو جاؤ خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کیلئے اگر کرلو گے (سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ تمہارا نقصان ہے اور نہ دوسروں کا نقصان ہے۔ ''و ان کان ذوعسرفنظرة الیمیسرة و ان تصد قوا فھو خیر لکم ان کنتم تعلمون''(۱۹ ترجمہ: اگر مقروض شخص تنگ دست ہو تو اسے کشائش (کے حاصل ہونے تک) مہلت دے دو اور اگر قرض معاف کر دو تو وہ تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے۔ بشرطیکہ تم سمجھو یٰا یھا الذین امنو الا تا کلو الربوااضعافاً مضٰعفة واتقو الله لعلکم تفلحون'' (۲۰) ترجمہ: اے ایمان والوں دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

قحبہ گری اور زنا کی آمدنی:۔

'' الزانی والزانیة فا جلدو اکل واحد منھما مائة جلدة''(۲۱) ترجمہ: زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔(لا تکرھو افتیا تکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوٰة الدنیا''(۲۲) ترجمہ: اپنی

لونڈیوں کوقحبہ گری پر مجبور نہ کرو جب کہ بچنا چاہتی ہوں محض اس لئے کہ تم دنیاوی زندگی کے فائدے حاصل کرنا چاہتے ہو۔ "**لا تقربو الزنیٰ انه کان فاحشة و ساء سبیلا**"(۲۳) ترجمہ: اور زنا کے قریب بھی نہ بھٹکو یہ بے حیائی اور برا چلن ہے۔

## فحاشی پھیلانے والے ذرائع آمدنی:۔

"**ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا لهم عذاب الیم فی الدنیا و الا خرة**"(۲۴) ترجمہ: جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں فحش کی اشاعت ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

## ڈاکہ زنی کی آمدنی:۔

"**انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله و یسعون فی الارض فساد ان یقتلوا أ و یصلبوا**"(۲۵) ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزا تو یہ ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا مصلوب کر دیئے جائیں۔ درج بالا آیات کی روشنی میں اللہ نے آمدنی کے کچھ ذرائع حرام قرار دیئے ہیں۔ مگر چونکہ یہ سب ذرائع آرڈی نینس میں درج کردہ (انکم) کی تعریف میں آتے ہیں اور ان کی آمدنی سے ٹیکس وصول بھی کیا جاتا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انکم ٹیکس آرڈی نینس 1979ء کی رو سے ایسی آمدنیاں اتنی حلال ہیں کہ ان میں سے لیا ہوا حصہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خزانے میں داخل کر کے ہر قسم کے دینی اور دنیاوی کاموں پر خرچ کیا جا سکتا ہے حالانکہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا صرف اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی حلال اور حرام کے معاملہ میں دخل دینے کے مجاز نہیں ہیں۔

## اسلام اور قرض حسنہ:۔

شرک کے بعد جس چیز سے اللہ تعالیٰ کو انتہائی نفرت ہے وہ حقوق العباد کا غصب کرنا ہے۔ یہاں تک کہ اگر شہید کے ذمہ بھی کسی کا قرض بقایا ہو تو وہ انعامات جن کا شہید حق دار ہوتا ہے اس وقت تک معطل رہتے ہیں جب تک کہ وہ شہید قرض ادا نہ کرے یا قرض لینے والا اسے معاف نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقوق العباد کی مد میں ایک انتہائی محبوب عمل (قرض حسنہ) ہے جس کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل آیات قرآنی سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ غنی و بے نیازی کے باوجود اللہ تعالیٰ قرض کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اب غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی آواز (من ذالذی) کوئی ہے سننے کے بعد منہ پھیرنے والا صاحب ثروت مسلمان اپنا ایمان کیسے بچا سکتا ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک نہ کہنا بھی ایک ایسا ت۔ل تعزیز جرم ہے کہ اس کی سزا متعین ہے اور حالات و واقعات کی وجہ سے اس میں کمی بیشی ناممکن ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت میں قرض حسنہ دینا انکم ٹیکس آرڈی نینس کی رو سے مقروضہ سودی آمدنی کے اضافہ اور پھر اس پر ٹیکس کا باعث بنے گا۔ ارشادات باری تعالیٰ ہیں "**من ذالذی یقرض الله قرضاً حسنا فیضٰعفه اضعافاً کثیرا و الله یقبض ویبسطُ والیه ترجعون**"(۲۶) ترجمہ: کوئی ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے میں کئی حصے زیادہ دے گا اور اللہ ہی

روزی کوتنگ کرتا ہے اور وہی کشادہ کرتا ہے تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ ''ان تقرضوا اللہ قرضاً حسنا یضٰعفه لکم و یغفر لکم و اللہ شکور حلیم''. ترجمہ: اگر تم اللہ کو قرض دو گے تو وہ تم کو اس کا دو چند دے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اللہ تعالیٰ قدر شناس اور بردبار ہے۔ (واقیموا الصلوٰ ۃ و اتو الزکوٰ ۃ واقرضوا اللہ قرضاً حسناً وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عنداللہ.) (۲۷) ترجمہ: اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور خدا کو قرض حسنہ دیتے رہو اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو خدا کے ہاں بہتر پاؤ گے۔

## قرض حسنہ اور انکم ٹیکس آرڈی نینس 1979ء:۔

Section 12(7)of the Income Tax Ordinance 1979 reads........

12 (7) Where an assesse has made any loan or advance to any advance to any person on which no interest hase been charged or the rate at which interest has been charged is less than the rate (Hereinafter to as the said rate arrived at by adding two persent to the bank rate notified by the State Bank of Pakistan as applicable on the date on which the loan are advance was made the amount not charged or the amount equal to the interest computed atthesaid rate as reduced by the interest actually charg shall be deemed to be the income of the assesse and shall be included in his total income:-

## انفاق فی سبیل اللہ اور انکم ٹیکس قوانین۔

Section 47 of the I.T ORD.1979 reads:---------

47 Allowance for donations for charitable purposes:------

(1)An assesse shall be entitled to an allowance in respect of any sum paid by him in any income year as donation to:-------

(a) Any Board of Education in Pakistan or any University in Pakistanestablished or incorporated by or under any federal or Provincial Act or any educational Institution in Pakistan affiliated to any such Board of Education or University,or recognised, aided or run by Government or run by a local authority; or

(b) Any hospital in Pakistan recognised ,aided or run by Government or run by a local authority ; or

(c) Any relief fund sponsored or approved by Government or;

(d) Any other Institution or fund which is established in Pakistan for a religious or charitable purposes and is approved by Central Board of Revenue for the purposes of this Section.

سٹہ بازی:۔

انکم ٹیکس آرڈی نینس 1979ء کے سیکشن 37 کے تحت سٹہ بازی کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ جب کہ یہ بھی جوا کہ ایک قسم ہے۔ دفعات ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۳، اور ۱۰۴ سب قابل ادائیگی رقوم کی واپسی یعنی (Refunds) کے متعلق ہیں۔ Refunds وہ رقوم ہوتی ہیں۔ جو کہ کسی بھی وجہ سے ٹیکس دینے والے نے اپنے واجب الادا ٹیکس سے زیادہ جمع کرائی ہوتی ہے۔ یا جابرانہ دفعات کے تحت جبر سے وصول کی گئی ہوتی ہیں۔ انتظامی قابلیت اخلاق اور دیانت کا تقاضا ہے۔ کہ جس روز کسی بھی فیصلہ کی وجہ سے ان رقومات کے واجب الادا ہونے کا علم ہو متعلقہ افسر اسی روز (Refund Order) ایک شکریہ کے خط کے ساتھ متعلقہ فرد یا افراد کو بھیج دے، محکمانہ طور پر Refunds روکنے والے افسران کے خلاف تعزیزی کاروائی کے لئے قانون میں گنجائش ہونی چاہیئے مگر یہ سب اس وقت ہوسکتا ہے جب اصل قوانین کی بنیاد جور وستم کی بجائے عدل وانصاف پر ہو۔ ان دفعات میں قابل ادائیگی رقوم کی ادائیگی کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہیں۔

Section162 As:------------

Bar of suits in Civil courts :----- No suit shall be brought any civil court against any order made under this ordinance , and no prosecution suit of other proceeding shall lie against any person for anything in good faith done oe intended to be done under this ordinance .

کسی قوم پر اس سے بڑی مصیبت کیا نازل کی جاسکتی ہے۔ کہ اس پر عدالت کے دروازے بند کردیئے جائیں۔

ٹیکس کلچر میں اعتماد کا فقدان:۔

گزشتہ دہائیوں کے دوران غربت کی شرح 17 فی صد سے بڑھ کر 31 فی صد ہو چکی ہے اور ہمارے 47 فیصد عوام غربت سے بھی کم درجے کی زندگی گزار رہے ہیں ملک کے بے شمار حصے ایسے ہیں جہاں پینے کیلئے صاف پانی نہیں ملتا انسان اور جانور ایک ہی ندی کا پانی پینے پر مجبور ہیں۔ جب کہ جاگیرداروں کے ظلم وستم کے شکاران کے مزارعے آج بھی آسمان کی طرف امدادی سامان پھینکنے والے جہاز دیکھنے کے سپنو میں رہتے ہیں جن کو صرف ایک وقت کی روٹی میسر ہے۔ 54 سال میں آدھی آزادی گنوانے والی قوم کسی حد تک خوشحال

ہے اس کی جھلک اس تاریخ میں مضمر ہے۔ کہ عام طبقات محرومی کا شکار رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آبادی کا کوئی طبقہ بھی خوش دلی سے ٹیکس ادا کرنے کو تیار نہیں، صرف وہی ٹیکس ادا کر رہے ہیں۔ جن کی گردنیں حکومت کے پاؤں تلے ہیں۔ نظام محاصل کی آمدنی 85% بالواسطہ ٹیکسوں کے ذریعے حاصل کی جارہی ہے جس کے تحت ایک بیوہ اور یتیم بچہ بھی اشیاء صرف پر سیلز ٹیکس ادا کر رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ ہر دور میں کالے دھن کو سفید کرنے کیلئے انقلابی مراعات دے کر ان لوگوں کی دل آزاری کی جاتی ہے جو ٹیکس قوانین کی پابندی کرتے ہیں ان میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ باقاعدگی سے ٹیکس ادا کرنے کی بجائے کیوں نہ اس رعایت سے مستفیض ہو جایا کریں اور یوں ہم نے ٹیکس کلچر میں اس سسٹم کو پنپنے نہیں دیا جو اس احساس ذمہ داری پیدا کرتا ہے۔ اُنیسویں صدی کے آخر میں جب دنیا میں صنعتی انقلاب آیا، زندگی فلسفہ سے نکل کر سائنس دانوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ اور دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ سائنس دانوں کے ہاتھوں سے کھسک کر ڈیموکریٹس کے دروازوں پر جا کھڑی ہوئی، وہاں دو قدم آگے بڑھی تو مختلف اکنامک مینیجرز کے ہاتھ اس پر پکے ہو گئے اور آج دنیا اقتصادی ماہرین کے ہاتھوں میں ہے، ہر حکمران مملکت کو اپنے ساتھ بیسیوں مشیران معیشت رکھنے پڑتے ہیں اور وہ حکمران عام لوگوں کو معاشی تحفظات فراہم کرنے میں ناکام رہے اور معاشی ابتری ان کے زوال کا باعث بنی۔ نظام محاصل کی خامیوں کی وجہ بعض وہ معاشی پالیسیاں میں جو غیر ملکی اداروں کی ہدایات کے تحت بنائی جاتی ہے ان کی گرفت معیشت اور خارجہ پالیسی دونوں پر گہرے اثرات ڈالتی ہے جو سرمایہ داری، استعماریت اور مادہ پرستی کی منہ بولتی تصاویر ہیں ہمارا نظام ٹیکس ایسے قوانین سے عبارت ہے کہ جو نظام ہمیں قیام پاکستان کے وقت ملا تھا اس میں مزید اصلاح کی بجائے اس میں مزید ترامیم اس طرح شامل کی گئیں کہ نظام بھرپور جبر کا عکاس بن گیا، مالیاتی ادارے ایک طرف شرح محاصل کم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، دوسری طرف ہماری آزاد تجارت پر پابندی لگا کر ہمیں معاشی طور پر مفلوج بناتے ہیں۔ ہم نے پاکستان کا مطلب کیا لا الا اللہ کا نعرہ تو لگایا لیکن اپنے معاشی نظام کو سامراجی قوانین کے تابع رکھ کر ان قرآنی احکامات کی بھی خلاف ورزی کی جن کی پاسداری ہم پر لازم تھی، سورۃ النساء آیت 219 میں ٹیکس عائد کرنے کے بارے میں قرآن اس اصول کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کہ ٹیکسوں کا بار صرف ان لوگوں پر پڑنا چاہئے جو اپنی ضرورت سے زیادہ مال رکھتے ہوں۔ ہمارے ملک میں جن کے پاس ضرورت سے زیادہ مال تھا انہوں نے 10 فیصد رشوت دے کر 90 فیصد ٹیکس چوری کیا، آج ٹیکس کے مسئلہ پر ملک کھلم کھلا بحران کا شکار ہے، ٹیکس نہ دینے والوں کا استدلال ہے کہ ٹیکس لینے والوں کے ہاتھ ٹرانسپرنٹ نہیں بڑے بڑے لوگ سرکاری دفاتر کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور چھوٹے تاجروں کو تختہ مشق بنایا جاتا ہے۔ یہ وہ طبقات ہیں جن کے اندر انسانی فطرت کا یہ پہلو نمایاں ہے کہ جب کسی کو کوئی فائدہ مطمح نظر نہ ہو تو اس کا دل ٹیکس دینے کو تیار نہیں وہ سیاسی، سماجی، معاشی برائیوں کے ہاتھوں نالاں ہے۔ سڑکیں ٹوٹی، بجلی، گیس مہنگی، جانی و مالی عدم تحفظ تعلیم پرائیویٹ سکولوں سے، پینے کا پانی قیمتاً علاج مہنگے پرائیویٹ ہسپتالوں سے جان بچانے والی ادویات دنیا بھر کے مقابلہ میں سب سے مہنگی، ان ابتر حالات میں کوئی کس طرح مضبوط معاشی نظام کیلئے وسائل فراہم کرنے کی طرف مائل ہوگا؟ حکومت کا کام محض ٹیکس وصول کرنا ہی نہیں ملک میں صحت مند معاشی سرگرمیوں کا

فروغ بھی ہے۔جس سے روزگار پیدا ہو،ضروریات کی اشیاء اور خدمات کی شرح میں توازن، ملاوٹ، دھوکہ دہی، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ، ناجائز منافع خوری، ظالم کے ہاتھوں کمزور کا استحصال کا خاتمہ عدالتی انصاف درکار ہے۔ان اصلاحات کے ساتھ ساتھ ہمارے ہاں جب ٹیکس دہندگان یہ دیکھتے ہوں کہ ان کے ٹیکسوں کی مد میں دی گئی رقوم حکمران اپنے اثاثے بنانے میں بے دریغ لگا رہے ہیں ملک میں بڑھتی ہوئے بے روزگاری معاشی بدحالی کے باعث لوگوں میں نفرت اور اضطراب کے احساسات ان کے دامن گیر رہتے ہیں۔یہ امر تشویشناک ہے کہ 1988ء میں ہمارے ذمہ مجموعی قرضے 520 ارب ڈالر تھے جو اب 2800 ارب ڈالر سے تجاوز کر چکے ہیں، اور اگر ہم ایک روپیہ کی ڈی ویلیویشن کریں تو اندرونی قرضے 115 ارب اور بیرونی 130 ارب تک بڑھ جاتے ہیں۔اور آج ہمیں ملک چلانے کیلئے سالانہ ساڑھے پانچ کھرب روپے درکار ہیں جب کہ محصولات اور دیگر مدوں سے تین کھرب سالانہ آمدنی متوقع ہے۔

ماضی میں لمبا چوڑا خسارہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے قرضہ لے کر پورا کیا جاتا رہا۔لیکن یہ صورتحال زیادہ دیر تو نہیں چل سکتی اور ہماری سلامتی اور ملکی ترقی کا یہی واحد راستہ ہے کہ ہم اپنے نظام محاصل کو ٹھوس بنیادوں پر جذبہ حب الوطنی کے ساتھ چلائیں اور اس وقت حکومت نے محاصل کی وصولی کے لئے زیادہ تر انحصار سیلز ٹیکس پر کیا ہے اور یہ ٹیکس آئی ایم ایف کی ان شرائط میں شامل ہیں جس کے تحت ہمیں قرضوں کی قسطیں مل رہی ہیں اور ملک میں سیلز ٹیکس دینے والوں کی تعداد دکانداروں کو ملا کر 22 لاکھ تک جانے کا ہدف اور وصولیوں کا ہدف 600 ارب روپے مقرر کیا گیا ہے جب کہ اس کے ساتھ ساتھ ٹیکسوں کے پورے نظام کو موئثر بنانے کی بھرپور سعی کی جارہی ہے۔اس وقت معیشت کی اکثریت غیر رسمی معیشت کی نہیں۔ہے اور اس سیکٹر کا قومی پیداوار میں بہت بڑا حصہ ہے۔محاصل کے نظام میں اس طبقہ کو اگر ریڑھ کی ہڈی کہا جائے تو بے جانہ ہوگا اسے فوری طور پر دستاویزی شکل میں لانا ایک کھٹن مرحلہ ہے جب تک ٹیکس دینے والوں کو فیصلہ سازی میں شامل نہیں کیا جاتا اور وصولی کے عمل کو قومی مفادات کے تابع نہیں کیا جاتا سرکاری اہداف پورے نہیں ہو سکتے تا ہم گزشتہ برسوں کی ہڑتالوں، ہنگاموں کے پس منظر میں اس وقت ایک صحت مند ٹیکس پالیسی کی تشکیل اشد ضروری ہے جو سیلز ٹیکس کے معاملہ میں اس نقطہ کی وضاحت کر سکے کہ یہ ٹیکس خریداری پر ہے اور جب ملک میں سوائے خوراک وادویات کے ہر شعبہ بحران میں ہو ٹیکسوں کا ہدف مقررہ شرح کے مطابق کس طرح پورا ہو سکتا ہے؟ اگر نظام ٹیکس کی اصلاح میں پریشر گروپس کی ہڑتالیں شامل حال رہیں تو پھر ان تنخواہ داروں اور دیگر طبقات کا کیا قصور ہے جن پر جبری ٹیکس نافذ ہے ان عوامل پر غور کرتے ہوئے ہماری تاجر برداری کو قابل عمل تجاویز سامنے لانی چاہیے اور اپنی تاجر تنظیموں میں ان افراد کو نمائندگی کا حق دینا چاہیے جو ٹیکس سسٹم اور معیشت کے تقاضوں کا ادراک رکھتے ہوں عام شہری ٹیکس ساز اداروں اور تاجروں سے سوال کرتے ہیں کہ خدارا اپنے معاملات میں ربط پیدا کر کے عام آدمی کی معاشی حالت سنوارنے کے لئے کام کیا جائے (۲۸)

(جاری ہے)

مراجع ومصادر (کتابیات)


(۱) سورة القصص:۷۷. (۲) سورة الحشر :۷

(۳) صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ حدیث نمبر ا (۴) المحلٰی :ابن حزم : ج ۲:ص ۱۵۸.

(۵) محمد طاسین: اسلام کی معاشی تعلیمات :ص ۱۳۷ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۰ رجب ۱۴۰۱ھ

(۶) زین العابدین :البحر الرائق ج ۵ ص ۳۸ : ۱۸۹۳.

(۷) ابو عبیدقاسم بن سلام :کتاب الاموال قاهره ۱۳۵۳ :ص ۴۳، ۲۲.

(۸) ابو یوسف ، کتاب الخراج مطبوعه قاهره ۱۰۹.

(۹) حفیظ الرحمٰن سیو هاری قصص القرآن ج ۳ تاجران قرآن لمیٹڈ 3/2, 3/3

(۱۰) مجوزہ ٹیکس نظام کا معاشی وسیاسی تجزیہ: محمد مرزا۔ ٹمپل روڈ لاہور ۱۵۔

(۱۱) انکم ٹیکس آرڈی نینس 1979ء۔16 (۱۲) البقره ۱۸۸.

(۱۳) البقره ۲۸۳. (۱۴) آل عمران : ۱۶۱.

(۱۵) النساء : ۱۰. (۱۶) المائده ۳۸.

(۱۷) المائده ۹۰. (۱۸) البقره ۲۷۵.

(۱۹) البقره ۲۷۸. (۲۰) البقره ۲۸۰.

(۲۱) آل عمران : ۱۳۰. (۲۲) النور :۲.

(۲۳) النور ۲۳. (۲۴) بنی اسرائیل : ۲۴

(۲۵) المائده : ۲۳. (۲۶) المائده : ۲۳.

(۲۷) البقره : ۲۴۵. (۲۸) المزمل ۲۰.

(۲۹) جابر سلطان روزنامہ نوائے وقت لاہور یکم فروری 2000ء۔